ایم۔ شاکر اکوتاشر
ترجمہ: ثروت صولت

عثمانی ترکوں کے زمانے میں بچوں کے مدرسے

بچوں کے مدرسے جن کو ترکی میں صبیان مکتب لری کہا جاتا تھا، ترکی میں سب سے پہلے سلطان محمد فاتح (۱۴۵۱ء تا ۱۴۸۱ء) کے زمانے میں قائم کیے گئے۔ یہ مدرسے شروع میں استنبول میں قائم ہوئے۔ اس کے بعد پوری عثمانی سلطنت کے شہروں اور قصبوں میں پھیل گئے۔ فاتح کے بعد کے دور میں ان مدرسوں کو دار العلم، معلم خانہ، مکتب اور مکتب خانہ بھی کہا جاتا تھا۔

یہ مدرسے اسلامی تعلیمی روایات کا ایک حصہ تھے۔ اسلامی احکام کے مطابق ایک بچہ خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی، سات سال کی عمر کے بعد دینی فرائض پر عمل کرنا شروع کر دیتا تھا۔ چنانچہ اس وقت تک بچے کے لیے لکھنے پڑھنے کا انتظام کر دیا جاتا تھا، بلکہ ان کو چار سال کی عمر ہی سے محلے کے مدرسوں میں تعلیم کے لیے بھیج دیا جاتا تھا۔ ترکی میں اس کی ایک مثال سیواس کے حکمران قاضی برہان الدین[1] (۱۳۴۴ء تا ۱۳۹۹ء) کی ہے، جن کو چار سال کی عمر میں پڑھانا شروع کر دیا گیا تھا۔

---

[1] قاضی برہان الدین ترکی کے ایک صاحبِ سیف و قلم شخص تھے۔ ان کا تعلق عثمانیوں سے قبل کے دور سے ہے جبکہ اناطولیہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم تھا۔ قاضی برہان الدین کے والد شہر قیصری کے قاضی تھے۔ قاضی برہان الدین نہایت ذہین تھے، چودہ سال کی عمر تک عربی، فارسی، منطق اور حکمت کی تعلیم حاصل کر چکے تھے۔ اس کے بعد انھوں نے مصر، حجاز اور حلب میں مزید تعلیم حاصل کی۔ باپ کے انتقال کے بعد ۱۳۶۴ء میں قیصری کے قاضی ہوئے۔ اسی سال وہ قیصری کے حکمران کے وزیر ہو گئے۔ ۱۳۸۱ء میں قاضی برہان الدین سیواس کے حکمران ہو گئے۔ اور اٹھارہ سال حکومت کی یہاں تک کہ سیواس کے ایک محاصرے کے دوران لڑائی میں مارے گئے۔ قاضی برہان الدین کی زندگی بڑی ہنگامہ خیز تھی۔ حکومت کی ذمہ داریاں پوری کرنے کے ساتھ انھوں نے نظم و نثر میں بکثرت کتابیں لکھیں۔ عربی میں ان کی کتابیں علم فقہ سے متعلق ہیں۔ وہ عربی، فارسی اور ترکی کے شاعر بھی تھے۔ ان کا ترکی دیوان پندرہ سو غزلوں پر مشتمل ہے، رباعی وغیرہ ان کے علاوہ ہیں۔ اس دیوان کا واحد نسخہ برٹش میوزیم میں ہے۔ ترکی کی لسانی انجمن نے اس دیوان کو ۱۹۴۴ء میں شائع کر دیا ہے۔

محمد فاتح سے پہلے ترکی میں مکاتبِ صبیان کی کیا شکل تھی، اس کے بارے میں ہمیں واضح معلومات نہیں ہیں۔ اگرچہ بعض تاریخوں میں بتایا گیا ہے کہ ابتدائی دور کے عثمانی سلاطین کے زمانے میں بھی ازنیق، بروصہ، ادرنہ اور منیسہ (MANISA) وغیرہ میں ہر مسجد کے ساتھ ساتھ ایک ایک مدرسۂ صبیان بھی ہوتا تھا، لیکن ان مدرسوں کی ماہیت، اصولِ تعلیم اور نصابِ تعلیم کے بارے میں ہمیں معلومات نہیں۔ اس قسم کی معلومات صرف محمد فاتح کے دور میں اور اس کے بعد قائم ہونے والے مدرسوں تک محدود ہیں۔

مدارسِ صبیان میں پانچ تا دس سال کی عمر کے لڑکے اور لڑکیاں تعلیم پاتی تھیں۔ ان بچوں کو دینی تعلیم دلانے کے یہ اوّلین ادارے تھے۔ پہلا مدرسۂ صبیان استنبول کی مشہور جامع فاتح اور اس کے مدرسے کی تعمیر کے ساتھ ساتھ ان کے پاس ہی مسجد کے غربی دروازے سے ملحق قائم کیا گیا۔ یہ مدرسہ ۱۹۱۸ء کی آتشزنی میں جل گیا۔ سلطان محمد فاتح کے وقف نامہ میں جو ترکی زبان میں ہے، اس عمارت کے لیے ترکی میں دار التعلیم اور عربی میں مکتب کے نام سے تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس مدرسے میں صرف یتیم بچے تعلیم پاتے تھے۔ اگر یتیم بچے نہیں ملتے تھے تو پھر دوسرے غریب بچوں کو داخل کیا جا سکتا تھا۔

فاتح کے بعد اس کے بیٹے بایزید ثانی (۱۴۸۱ تا ۱۵۱۲ء) کے زمانے میں جامع بایزید ثانی کے جنوبی حصے میں صبیان مکتب قائم کیا گیا تھا۔ وقف نامہ کے مطابق یہ بھی یتیم اور غریب بچوں کی تعلیم کے لیے مخصوص تھا۔ اس مدرسے میں بچوں کو روزانہ صبح اور شام روٹی اور گوشت دیا جاتا تھا۔ قلفہ[۵۲] (KALFA) کو ہدایت تھی کہ وہ جمعہ کو چھوڑ کر روزانہ تیس بچوں کو قرآن پڑھائے، نماز کے طریقے سکھائے اور نماز میں پڑھی جانے والی سورتوں اور دعاؤں کو یاد کرائے۔

مکاتبِ صبیان کا یہ طرزِ تعلیم کافی عرصے تک اسی طرح چلتا رہا، حتیٰ کہ عبدالحمید اوّل (۱۷۴۳ تا ۱۷۸۹ء) کے دور میں بعض اضافے کیے گئے۔ عبدالحمید اوّل کے ایک وقف نامہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ

---

۵۲ قلفہ یا قلفا ترکی میں نائب مدرس کو کہا جاتا تھا۔ اس کے لیے کبھی کبھی خلیفہ کا لفظ بھی استعمال ہوتا تھا۔ قلفہ دراصل خلیفہ ہی کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔

بچوں کو عربی کے علاوہ فارسی زبان کی تعلیم بھی دلائی جائے۔ چنانچہ اس کے بعد سے ہمیں تحفہ، بنجبہ اور صبحۂ صبیان کے نام سے عربی اور فارسی زبانیں سکھانے والی منظوم کتابیں مدارسِ صبیان کے نصابِ تعلیم میں شامل نظر آتی ہیں۔ یہ کتابیں پڑھائی بھی جاتی تھیں اور حفظ بھی کرائی جاتی تھیں۔ عبدالحمید اوّل کا یہ مدرسہ باغیچہ کاپی (باب باغیچہ) میں تربتِ حمیدیہ کے سامنے واقع تھا۔ ۱۹۱۴ء میں اس کے گرد چار سرائیں بنا دی گئیں۔ تحفہ نامی کتاب فارسی اور ترکی میں اور بنجبہ نامی کتاب عربی اور ترکی میں تھی۔ یہ کتابیں مرعش کے مشہور ترک شاعر سنبل زادہ وہبی (۱۷۱۹ تا ۱۸۰۹ء) کی لکھی ہوئی تھیں۔ صبحۂ صبیان بھی فارسی، عربی اور ترکی میں منظوم لغت ہے۔

مدارسِ صبیان میں تعلیم کا کوئی معاوضہ نہیں لیا جاتا تھا۔ طلبا کو یومیہ وظیفہ دیا جاتا تھا اور سال میں ایک مرتبہ کپڑے دیے جاتے تھے۔ اگر مکتب کسی بادشاہ کا تعمیر کیا ہوتا تھا تو بچوں کو ہر صبح سخنی پلائی جاتی تھی اور ایک ایک روٹی دی جاتی تھی۔ جمعرات کے دن بچوں کو پلاؤ اور زردہ دیا جاتا تھا۔

بعض وقف ناموں سے (جیسے شیخ الاسلام اسعد آفندی[۵۳] اور سلطان محمود اوّل کی والدہ صالحہ سلطان کا وقف نامہ ہے)۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہر سال بچوں کو جو کپڑے دیے جاتے تھے وہ ایک قسم کے سوتی کپڑے ہوتے تھے جس کو ترکی میں بوغاسی کہا جاتا تھا۔ کپڑے سلے سلائے ہوتے تھے اور ٹوپی، قمیص، صدری، پیٹی اور جوتے وغیرہ پر مشتمل ہوتے تھے۔

سلیمان قانونی کے وقف نامے کے مطابق غریب بچوں کو ملبوسات کے بدلے یومیہ دیا جاتا تھا اور عید اور بقرہ عید کے موقعوں پر کپڑے بھی دیے جاتے تھے۔ جامعہ سلیمانیہ کے پاس سلیمانیہ عمارت خانے میں غریبوں کے لیے جو کھانا پکایا جاتا تھا، اس میں سے مکتب کے بچوں کو بھی کھانا دیا جاتا تھا۔

مدارسِ صبیان کے بچوں کو استاد اور قلفہ کی نگرانی میں سال میں ایک دفعہ گرد و نواح کے تفریحی مقامات میں سے کسی ایک مقام پر تفریح کے لیے بھی لے جایا جاتا تھا۔ اس قسم کی تفریح کے لیے

---

۵۳ اسعد آفندی (۱۶۸۴ تا ۱۷۵۲ء) سلطنتِ عثمانیہ کے ۶۷ ویں شیخ الاسلام تھے۔ وہ کئی سال رومیلی میں قاضی عسکر رہے اور ۱۷۴۸ اور ۱۷۴۹ء میں ایک سال ۲۲ دن کے لیے شیخ الاسلام بھی رہے۔ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ ان میں دو لغت کی کتابیں، ایک تذکرہ عرفائے ادوار نامی ماہرین موسیقی کی سوانح عمریوں پر مشتمل اور ایک گلزار ابراہیم نامی کتاب پھولوں کے پودوں کی کاشت سے متعلق شامل ہیں۔ شاعر بھی تھے۔ ان کا ایک دیوان موجود ہے۔

علیحدہ وقف ہوتا تھا، جیسا کہ شیخ الاسلام اسعد آفندی اور ایک دولت مند رئیس رامی قادن (۱۷۵۱) کے وقف کے ناموں سے معلوم ہوتا ہے۔ اس قسم کے پروگراموں کو "مکتب سیری"، یعنی مکتب کی سیر و تفریح کا پروگرام کہا جاتا تھا۔

مدارسِ صبیان زیادہ تر مسجدوں سے ملحق یا ان کے قریب واقع ہوتے تھے۔ عثمانی سلاطین اور شاہی خاندان کی عورتیں ان مدرسوں کے قیام میں سب سے زیادہ حصہ لیتی تھیں، لیکن دولت مند اور علم دوست افراد بھی مسجدوں، مدرسوں اور عمارت خانوں[۴] کو بنواتے وقت ان عمارتوں کے ساتھ مدارسِ صبیان قائم کرنا بھی ایک نیک کام سمجھتے تھے۔ اس طرح استنبول میں کئی سو اور اناطولیہ اور رومیلی[۵] میں بچوں کے ہزاروں مدرسے قائم ہو گئے تھے۔ یہ مدرسے چونکہ حکومت کی طرف سے بنائے ہوئے عمارت خانوں سے ملحق یا قریب ہوتے تھے، اس لیے ان عمارت خانوں سے طالب علموں کو روزانہ روٹی اور سالن بھی دیا جاتا تھا اور جمعرات کو پلاؤ اور زردہ دیا جاتا تھا۔ لیکن دوسرے لوگوں کے مدرسوں کے لیے یہ سہولتیں نہیں تھیں، لیکن روزینے ان مدرسوں میں بھی دیے جاتے تھے، اس کے علاوہ بعض دولت مندوں کی طرف سے سال میں ایک مرتبہ کپڑے بھی دیے جاتے تھے اور اس کے لیے وہ علیحدہ وقف قائم کر دیتے تھے۔

بادشاہوں کے اوقاف اتنے بڑے ہوتے تھے کہ ایک خوجہ یعنی استاد اور ایک قلفہ یعنی نائب مدرس کا خرچ بھی ان سے پورا کیا جاتا تھا۔ جن مدرسوں میں بچوں کی تعداد زیادہ ہوتی تھی، ان میں طلبا ہی میں سے ایک ذہین طالب علم کو قلفہ چن لیا جاتا تھا۔ قلفہ کا کام بچوں کو پڑھانا، ان کا پچھلا سبق سننا اور مدرسے میں نظم و نسق قائم رکھنے میں استاد کی مدد کرنا ہوتا تھا۔ بعد میں نواب کے نام سے عملے میں ایک خادم کا اور اضافہ کر دیا گیا۔ خوجہ آفندی یعنی استاد کو پانچ آقچے اور قلفہ کو دو آقچے یومیہ مشاہرہ ملتا تھا۔ بعض مدرسوں میں استاد کو عمارت خانوں سے روزانہ کھانا بھی دیا جاتا تھا۔

---

۴ عثمانی دور میں غریبوں کو کھانا کھلانے کے لیے جو عمارت تعمیر کی جاتی تھی، اس کو عمارت خانہ کہا جاتا تھا۔

۵ ترکوں نے بازنطینیوں سے یورپ کا جو علاقہ لیا تھا اس کو رومیلی کا نام دیا تھا۔ عام طور پر یہ علاقہ شمالی یونان، جنوبی بلغاریہ، البانیہ اور یوگوسلاویہ کے جنوبی حصہ پر مشتمل تھا۔

مشہور سیاح اولیا چلپی[۵۶] نے اپنے سیاحت نامہ میں جہاں مسجدوں، مدرسوں اور دوسرے دینی اور علمی اداروں کا ذکر کیا ہے وہاں اس نے شہروں اور قصبوں کے مدارسِ صبیان کا بھی تذکرہ کیا ہے اور بہت سے مدرسوں کے ناموں اور ان میں تعلیم پانے والے طلبا کی تعداد بھی لکھی ہے۔ وہ ان مدرسوں کو کبھی ابجد خانہ بھی کہتا ہے اور بعض مقامات پر ان مدرسوں کی کیفیت بھی لکھی ہے۔ مثلاً ترابزون کے بیان میں وہ لکھتا ہے:

"اودتہ حصار میں ابوالفتح مکتب یعنی جامع مکتب اور خاتونیہ مکتب ہیں۔ یہ آخر الذکر مدرسہ جامع خاتونیہ کے مغربی جانب اینٹ اور پتھر کی بنی ہوئی شاندار عمارت ہے جس کا گنبد بڑا خوبصورت ہے۔ ان مدرسوں میں غریب بچوں کو تعلیم دی جاتی ہے۔ یتیم بچوں کو دن میں دو دفعہ کھانا اور عید اور بقرعید کے موقع پر لباس، ٹوپی اور رقم دی جاتی ہے۔ اسکندر پاشا مکتب بھی جو ۹۲۰ھ میں قائم ہوا تھا شہر کا مشہور مکتب ہے۔

۱۶۵۳

گیارھویں صدی ہجری کے شروع میں استنبول میں ایک ہزار چھ سو تریپن مدارسِ صبیان تھے جن کو معلم خانے بھی کہا جاتا تھا۔ یہ تعداد عثمان آفندی کی تاریخ جدید میں درج ہے۔ اولیا چلپی کے سیاحت نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سترھویں صدی عیسوی کے وسط میں ان کی تعداد بارہ سو ننانوے تھی۔ مدرسوں کے نام عام طور پر ان کے بانیوں کے نام پر ہوتے تھے، جیسے فاتح، بایزید، سلیمیہ، حمیدیہ، والدہ سلطان، گلفام خاتون، غضنفر آغا اور یاقوت آغا وغیرہ۔

صبیان مدرسوں کا ایک خاص طرزِ تعمیر ہوتا تھا۔ ان میں بعض مدرسے ایسے تھے، جن کو اس دور کے منتخب معماروں نے تعمیر کیا تھا۔ مدرسے کا اندازِ تعمیر کم و بیش ایسا ہوتا تھا: پتھروں کی ایک منزلہ یا دو منزلہ عمارت۔ بالائی حصے میں ایک کشادہ کمرہ، جس میں درس دیا جاتا تھا۔ اس کمرے کے اوپر گنبد ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ استاد اور قلفہ کے بیٹھنے کا چھوٹا کمرہ ہوتا تھا۔ سلطان سلیم ثانی کے دور میں مشہور قنزلر

---

[۵۶] اولیا چلپی (۱۶۱۱ تا ۱۶۸۲) مشہور ترک سیاح نے جسے ہم اسلامی دنیا کا آخری بڑا سیاح کہہ سکتے ہیں، جزیرہ نما بلقان، وسطی یورپ، روس، قفقاز، مغربی ایران، ترکی، عراق، شام، مصر، حبش، حجاز اور یمن کی سیاحت کی۔ اس کا سفرنامہ تقریباً پانچ ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔

آغا سی یاقوت آغا نے ۱۱ دسمبر ۱۵۷۲ء کو منیسا میں جو مدرسہ صبیان بنوایا تھا وہ اس زمانے کے عثلعی مدرسوں کے فنِ تعمیر کا خوب صورت نمونہ تھا۔

مدرسوں میں صبح ہونے ہی پڑھائی شروع ہو جاتی تھی جو ظہر کے وقت تک جاری رہتی تھی اور پھر مختصر وقفے کے بعد عصر کی نماز پر ختم ہو جاتی تھی۔ بچے چند حصوں میں تقسیم ہوتے تھے اور ایک وقت میں ایک ایک حصے کو پڑھایا جاتا تھا، لیکن سب بچے اسی ایک بڑے کمرے میں بیٹھتے تھے۔ بچے زمین پر فرش کے اوپر دو زانو بیٹھتے تھے اور ان کے آگے ایک لمبی میز رکھی ہوتی تھی جس پر وہ کتاب اور سیپارہ رکھتے تھے۔

بعض مدرسوں میں لڑکے اور لڑکیوں کو مخلوط تعلیم دی جاتی تھی۔ ایسی صورت میں درس خانے کے بڑے کمرے کے طرف لڑکیاں (جن کے سروں پر چھینٹ کے رومال بندھے ہوتے تھے) اور دوسری طرف ٹوپیاں پہنے ہوتے لڑکے بیٹھتے تھے۔ ایک دوسرے گوشے میں چھوٹے چھوٹے بچے قرآن حفظ کرتے تھے۔ درس خانے کے ایک نمایاں گوشے میں ایک چبوترے پر جس پر موٹا گدا یا لمبے بالوں والی بھیڑ کی کھال بچھی ہوتی تھی اور سامنے ایک میز ہوتی تھی، خواجہ آفندی (یعنی جناب استاد) بیٹھتے تھے۔ عام طور پر ان کی داڑھی گھنی اور آواز رعب دار ہوتی تھی اور وہ بچوں کو کڑی نظر سے دیکھتے تھے، لیکن کبھی کبھی اونگھ بھی جاتے تھے۔

بچوں کے ان مدرسوں میں تعلیم بہت سخت ہوتی تھی جو بچوں کے مزاج سے موافقت نہیں رکھتی تھی۔ نظم و ضبط کو قائم رکھنے کے لیے جسمانی سزا دی جاتی تھی، جس کی تائید مذہبی طور پر کی جاتی تھی۔ بچوں کے پاؤں فلقہ[۵۷] میں باندھے جاتے تھے اور ان کے کان کھینچے جاتے تھے۔ سر پر چھڑی مارنا، طمانچہ مارنا، گھنٹوں ایک پاؤں پر کھڑا رکھنا اور ایڑی کی کھال کاٹ کر اس میں نمک رکھنا وہ سزائیں تھیں جو ان مدرسوں میں دی

---

۵۷ فلقہ (FALAKA) ایک طرح کا شکنجہ ہوتا تھا، طالب علم کو لٹا کر اس میں پیر باندھ دیے جاتے تھے اور پھر تلووں پر ڈنڈے سے ضرب لگائی جاتی تھی۔ تنظیمات کے دور میں جب ترکی میں اصطلاحات ہوئیں تو فلقہ ترک ادیبوں کا دلچسپ موضوع بن گیا۔ احمد راسم نے اپنے زمانۂ طالب علمی کی سرگزشت فلقہ کے نام سے لکھی اور عمر سیف الدین کے ایک مشہور افسانہ کا عنوان فلقہ ہے، اور جس کتاب میں وہ افسانہ ہے اس کا نام بھی فلقہ رکھا گیا ہے۔

جاتی تھیں۔ پرانی کتابوں میں مکتب کی تعلیم کے سلسلے میں بحث کرتے ہوئے ڈنڈے کی ہمیشہ سفارش کی جاتی تھی اور ان کتابوں میں ڈنڈے کے اصلاحی اثرات اور صفات سے بحث کی جاتی تھی۔ لیکن لڑکیوں کو نہ تو فلقہ پر لٹایا جاتا تھا اور نہ ان کو ڈنڈے کی سزا دی جاتی تھی۔ ہاں ان کی ہتھیلیوں پر چھڑی ضرور ماری جاتی تھی۔

مدارسِ صبیان میں جو استاد مقرر کیے جاتے تھے ان کو شرفا، صاحب حیثیت اور نیک لوگوں میں سے منتخب کیا جاتا تھا۔ سلطان احمد سوم (۱۷۰۳ء تا ۱۷۳۰ء) کے دور میں ایک شخص عبداللطیف آفندی نے ایک کتاب میں ان سزاؤں کا ذکر کیا ہے جو مدارسِ صبیان میں دی جاتی تھیں۔

زیادہ قدیم مدرسوں میں کن اصولوں کے تحت تعلیم دی جاتی تھی، اس کے متعلق ہمیں واضح معلومات نہیں۔ لیکن آخری دور کے متعلق تحریری شہادتیں موجود ہیں کہ حروفِ تہجی کس طرح پڑھائے جاتے تھے اور بچے کس طرح کرائے جاتے تھے۔ غالباً قدیم زمانے میں بھی ان ہی اصولوں پر عمل کیا جاتا ہوگا۔ سترھویں صدی کے وسط میں ایک معلم محمد آفندی نے نوحۃ العشاق نامی ایک منظوم کتاب لکھی تھی۔ اگرچہ اس کتاب کا موضوع عشقیہ ہے لیکن اس سے مکاتبِ صبیان کے بارے میں بعض دلچسپ معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر حرف کو اس کی ہم شکل کسی چیز کے مشابہ بتایا جاتا تھا تاکہ بچہ اس کو آسانی سے پہچان سکے۔ مثلاً یہ کہ الف چھڑی کی طرح ہوتا ہے اور ب بھکاری کے کاسے کی طرح ہوتا ہے، ایسے کاسے کی طرح جس کے آمنے سامنے کے کنارے اُٹھے ہوئے ہوں، ج کان کی طرح ہوتا ہے یا جس کا پیٹ پھٹا ہو اور د کُبڑے کی کمر کی طرح ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح لفظوں کو اس انداز سے پڑھایا جاتا تھا: الف خالی ب کے نیچے ایک نقطہ، پ کے نیچے تین نقطے اور ج کے پیٹ میں ایک نقطہ۔ حروف شناسی کے لیے ابجد، ہوّز باد کرائی جاتی تھی۔

جب بچہ ہجے کرنے لگ جاتا تو اس کو قرآن شروع کرا دیا جاتا۔ قرآن پڑھانے کا آغاز آخری پارے سے کرایا جاتا تھا، پھر بالترتیب تبارک الذی اور قد سمع اللہ۔ اس کے بعد پورا قرآن پڑھایا جاتا تھا۔

زیر، زبر اور پیش سے آوازیں سکھائی جاتی تھی۔ مثلاً اس طرح: الف زبر آ، الف زیر اے اور الف پیش او۔

قرآن کے ساتھ دینی مسائل بھی پڑھائے جاتے اور قرآن کی صحیح تلاوت کے لیے علمِ تجوید بھی

پڑھایا جاتا تھا۔ آخری زمانے میں اس موضوع پر سب سے اچھی کتاب "قرہ باش تجوید" تھی۔
قرآن ختم کرانے کے بعد اس کو کئی مرتبہ دھرایا جاتا تھا۔ طلبا کو مشق کے لیے تحریری کام دیا جاتا تھا۔ خوش خطی بھی سکھائی جاتی تھی اور جن طلبا میں صلاحیت ہوتی تھی ان کو خط ثلث، خط رقعہ[۵۵]، خطِ دیوانی اور خطِ تعلیق وغیرہ بھی سکھائے جاتے تھے۔

[ترجمہ از ماہنامہ "ترک کلتورو" انقرہ جولائی ۱۹۶۵ء]
TÜRK KÜLTÜRÜ

---

۵۵ خط رقعہ ایسے خط کو کہا جاتا تھا جو زود نویسی کے لیے استعمال ہوتا تھا، اس میں دائرے اور نقطے وغیرہ حذف کر دیے جاتے تھے۔ غالباً یہ وہی چیز ہے جسے ہمارے یہاں خط شکستہ کہا جاتا ہے۔ چونکہ یہ رقعہ نویسی میں کام کرتا تھا، اس لیے اس کو خط رقعہ کہا جاتا تھا۔

(بقیہ صفحہ ۵۴) غیر مطبوعہ ہے۔

پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے سابق لائبریرین جناب عبد الرحیم نے ان مخطوطات کی فہرست سازی کی مختصر تاریخ ان الفاظ میں بیان کی ہے۔

۳۱ر جولائی ـــ "پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں مخطوطات کا شعبہ ۱۹۲۰ء کو قائم ہوا۔ نومبر ۱۹۴۱ء تک لائبریری میں ۱۷۲۴۱ (اس تعداد میں سنسکرت کے مخطوطات شامل نہیں) قلمی نسخے جمع کیے گئے۔ مخطوطات کی فہرست نگاری کا کام، مرحوم ڈاکٹر مولوی محمد شفیع کی نگرانی میں، ڈاکٹر سید محمد عبد اللہ نے شروع کیا۔ ان کی مرتبہ پہلی جلد یونیورسٹی نے ۱۹۴۲ میں شائع کی۔ جس میں تاریخ سے متعلق ۱۰۸ فارسی مخطوطات کی تفصیلات مندرج ہیں۔ اور دوسری جلد ۱۹۴۸ میں شائع ہوئی جو فارسی نظم کے ۱۱۷ مخطوطات کے بیان پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد فہرست نگاری کے کام پر مختلف اوقات میں، مرحوم مولوی عبد اللہ ابوالخیر، جناب فضل اللہ فاروقی، جناب ذوالقرنین اور مولوی رشید احمد مامور رہے۔"

مولانا کی ذات اقبالیات کے سلسلے میں ایک بہترین دستاویز کی حیثیت رکھتی تھی۔ افسوس انھوں نے اقبال سے اپنی ملاقاتوں اور صحبتوں کو قلم بند نہیں کیا۔ کاش وہ ایسا کر گئے ہوتے۔

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ   افسوس تم کو میر سے صحبت نہیں رہی